ترجمہ
تأوِیلُ الاحَادِیث

حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام | ان دونوں نبیوں کے ذاتی احوال، دونوں کی قوم کا کفر اور فسق میں رہنے کا حال، ان پر ملأ اعلیٰ کا غضبناک ہونا۔ ان کی ہلاکت کا فیصلہ کرنا، اور انسانِ الٰہی کے ساتھ حق تعالیٰ کی یہ عنایت کہ وہ ان کو عذاب سے ڈرائے اور ان میں سے ایمان والوں کی نجات اور خلاصی کے لئے کوئی حیلہ کرے (ان تمام باتوں میں) حضرت نوح علیہ السلام کے قصے سے ملتا جلتا ہے۔

یہ دونوں انبیاء (خدا کی طرف سے) ڈرانے والے تھے، اور دونوں کے دل میں مومنین کی نجات کا حیلہ الہام کیا گیا تھا اور دونوں کو عبادت کے ایسے طریقے دیئے گئے تھے جو طبیعت کے (جوش کے) لئے کاسر تھے۔

قوم عاد کا مسکن ریت کے ٹیلے اور ریتلا ملک تھا اور ان کے ملک کی ہوا خشکی اور گرمی کی طرف مائل تھی، ان کے حق میں عذاب کی جملہ قسموں میں سے ہوائی طوفان بہت قریب تھا۔ ایک زمانے تک ان سے برسات رک گئی اور ان کے چارپائے ہلاک ہو گئے تب انھوں نے اللہ کے حضور میں عاجزی کی اور ان کی قوت ملکیہ کو تنبہ ہوا، اس لئے وہ

اپنے برے اعمال کی وجہ سے پکڑے گئے، اور اگر وہ بہائم کی طرح (بے سمجھ) ہو جاتے تو ان پر (اتنا) جلدی عذاب نہ آتا کیوں کہ (ان کے لئے) عنایتِ ملکیہ کا ظہور ہوا تھا، اور انہوں نے ملکی عنایت کے احکام کو توڑ ڈالا اس لئے وہ (ملأ اعلیٰ کی نظر میں) ملعون بن گئے (اب صرف عذاب کی دیر تھی) جب انہوں نے ابر کو یعنی مادہ مجتمع کو اوپر دیکھا تو اس کو برسنے والا بادل خیال کیا۔ حالانکہ وہ اللہ کا عذاب تھا جس کی وہ جلدی کرتے تھے، پھر اُس نے ایک تُند و تیز ہوائی طوفان کی شکل اختیار کی۔

قوم ثمود کے رہنے کی جگہ پہاڑ اور ان کے غار تھے۔ ان کے حق میں عذاب کی بہت قریب وجہ زلزلے اور سخت آواز تھی۔ پھر حضرت صالح علیہ السلام نے ان کے ہلاک ہونے کی دعا کی حالانکہ ان لوگوں کی ہلاکت کا وقت نہیں آیا تھا، تب اس کے نفس نے بھی ہلاکت کی ہیئت حاصل کی اور اللہ تعالیٰ کی نظر بھی اس کی حاصل کی ہوئی ہیئت کے ساتھ مل گئی (اور موافقت کی)۔ تب اس پر موت اور نیند کے درمیان کی حالت طاری ہوئی جس طرح اصحابِ کہف پر طاری ہوئی تھی، پھر اس کو اٹھایا گیا۔

جاننا چاہیئے کہ عالمِ ملکوت میں جو بھی شر ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی حیوان کی صورت کے ساتھ متمثل ہوتا ہے۔ کیونکہ شرور کو حیوانات کے ساتھ جبلی مناسبت ہوتی ہے۔ سب سے آخری شر انسان کی صورت اختیار کرے گا (جسے دجّال کہا جاتا ہے) اور (اس کے بعد دنیا کی) عام ہلاکت اور بربادی قریب آجائے گی۔

آخر اس قوم کا شر حضرت صالح علیہ السلام کی بددعا سے ایک اونٹنی کی شکل میں نمودار ہوا[1]۔ جب انہوں نے اس اونٹنی کو قتل کیا تو شر چلا گیا اور طوفان آگیا۔

---

[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اونٹنی جو کہ حضرت صالحؑ کے معجزے سے قوم ثمود کے لئے ظاہر ہوئی تھی اس کا مادہ اس قوم کی برائیاں تھیں جنہوں نے ان کی مانگ سے اونٹنی کی شکل اختیار کی تھی، جب انہوں نے اس کو قتل کیا تو جسم کی وجہ سے اس میں جو تقید اور تشخص پایا جاتا تھا وہ ختم ہو گیا اور اب اس کو عموم مل گیا اور فساد عام ہو گیا۔ یہ حاشیہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاص تلمیذ مولانا محمد عاشق کے حاشیہ الخیر الکثیر سے لیا گیا ہے۔ قاسمی

اسی طرح جب دجال کو قتل کیا جائے گا[1] تو شر چلا جائے گا اور قیامت کبریٰ قائم ہو جائے گی ۔ طوفان سے ایک قوم کی بربادی ہوئی اور قیامت سے عام تباہی ہو گی ۔

---

[1] جاننا چاہیئے کہ دجال کے وجود کا مادہ اور اس کے جسم کے اصلی عناصر قوم نوح، ثمود، صالح، لوط، شعیب اور دوسرے انبیاء کے اقوام کی برائیاں ہیں جو کہ عام صحیفے میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے مخصوص صحیفے میں جو عذاب مقدر تھا وہ اگرچہ قوموں کی عذاب کی صورت میں (اس دنیا کے اندر) نمودار ہوا لیکن وہ برائی جو بذات خود شدید ہے وہ اپنے ظہور کے بعد دنیا میں بھی باقی رہے گی، اس لئے وہ آخرت میں بھی عذاب کا باعث بنے گی۔ خاص طور پر اس حالت میں کہ مخصوص صحیفے میں راسخ ہونے کے بعد صحیفۂ عالم میں بھی اگر وہ (برائی) راسخ ہو گئی ہو۔

بنی اسرائیل کی برائیاں بہت ہو گئیں اور وہ ان سے لاحق ہوئیں لیکن ان برائیوں کا (عذاب کی شکل میں) کوئی اثر ظاہر نہ ہوا کیونکہ بنی اسرائیل کے اندر ایسے انبیاء موجود تھے جو کہ اللہ کے مطلق اسم کے مظہر تھے اور ان کی دیکھ بھال کرنے والے لوگ موجود تھے، اس لئے ان کی برکت کی وجہ سے برائیاں عذاب کی صورت میں نمودار نہ ہوئیں، اور ان میں جو برائیاں جمع ہوتی رہتی تھیں وہ پورے طور پر ایک وحدت بن گئیں، تب ان شرور اور برائیوں پر خدا کی طرف سے انسانی ہیئت اور صورت کا فیضان ہوا کیونکہ جو بھی چیز کثرت سے وحدت اختیار کرتی ہے تو اپنے یگانگت اور توحد کی وجہ سے مفیض جواد کی طرف اس کو راستہ مل جاتا ہے۔ عادۃ اللہ یہ رہی ہے کہ ہر مادہ جب کسی محدود وزن تک پہنچتا ہے تو وہ اپنے لئے (جواد مطلق سے) ہیئت اور شکل کی طلب اور تقاضا کرتا ہے۔ شرور پر شکل اور ہیئت کے افاضے اور عطا کی مثال ایسی ہے جیسے کیڑوں کی صورت کا افاضہ نجاست اور پلیدیوں پر ہوتا ہے جب وہ پلیدی کے سب سے آخری درجے پر پہنچ جاتی ہیں ۔

انسانی برائیوں کا انسانی شکل میں متمثل ہونے کا راز یہ ہے کہ اس صورت کو اس دنیا میں اس شئے کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے جو کلیت اور اطلاق کا رتبہ رکھتی ہو (باقی آئندہ صفحہ پر)

تاویل احادیث ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیمؑ کے قصے کا خلاصہ یہ ہے آپ فطرت کی طرف شدت کے طور پر ہوئے تھے (یعنی قوی بالفطرت تھے) اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسانی اخلاق کے ظہو انسانی افراد مختلف ہوتے ہیں۔

(۱) ان میں سے کچھ تو وہ ہوتے ہیں جن میں شجاعت اور بہادری بالکل مفقود ہوتی۔

(۲) بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جن میں ضعیف سی شجاعت ہوتی ہے جو بہت ریاضت سے نہایت تھوڑی اور نہ ہونے کے برابر ظاہر ہوتی ہے۔

(۳) کچھ لوگ اوسط درجے کی شجاعت رکھتے ہیں جو وہ تب ظاہر ہوتی ہے جب ب کی طرف اس کو بلایا جائے، اور یہ شجاعت تب قوت پکڑتی ہے جب افعال میں ممارست ریاضت) کی مناسب اقوال سے ترغیب دی جائے اور اس کے ساتھ بہادری کے سے اس کا واسطہ پڑے۔

(۴) کچھ لوگ بڑے بہادر ہوتے ہیں، اگر ان کو بہادری کے کام سے روکا جائے۔ مہالک میں آگے بڑھنا یا غیرت کے موقع پر ان کو غیرت سے روکا جائے تو بڑی کوشش بعد ہی رکتے ہیں۔ اور یہ روکنا ان پر نہایت گراں گزرتا ہے اور اس کے ساتھ وہ بہاد

(بقیہ حاشیہ) اسی کی طرف پیغمبر علیہ السلام کے اس قول میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آدم کو اس کی صورت پر پیدا کیا۔ اور اس صورت میں بھی ایک قسم کا عموم ہے، اسی لئے ان کو قوی متین سے غفلت اور انسلاخ بھی لاحق ہوتا ہے جیسا کہ اس کا بیان (خیر کثیر کے خزانے میں آئے گا، اور وہ ترجیب ایک قوی انسان کی شکل اختیار کرے گا تو اس کے بعد برائیاں اس کو لاحق ہو جائیں گی، جس طرح جزئی، کلی کو لاحق ہوتی ہے یا غذا مغتذی کو، وہ شخص مرے گا اور جسمانی تشخص سے آزاد ہو کر روح بنے گا تو سارے عالم کی تباہی اور یہی قیامت ہے۔ (مولانا محمد عاشق قدس اللہ سرہ (تلمیذ شاہ ولی اللہ رحمہ) کی خیر پر تقریر سے یہ حاشیہ منقول ہے)۔

کے خیالات سے خالی نہیں ہوتے اور وہ جس وقت بہادری کا موقع پاتے ہیں یا اس کی طرف ان کو بلایا جاتا ہے (تو پہنچنے میں دیر نہیں کرتے) جیسے گندھک کو آگ لگ جائے اور اس کے جلانے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔

(۵) کچھ لوگ ایسے اعلیٰ درجے کے بہادر ہوتے ہیں جن کو بہادری کے مواقع سے روکنا ناممکن ہے بلکہ وہ ایسے مواقع کی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں، اگر اس کے خلاف کی طرف اس کو کوئی بلائے بھی تو اس کی بات نہیں سنتے، بزدلی کی بات کا اس کے دل میں گزرنا ہی نہیں ہوتا۔ اس آخری قسم کے بہادر انسان کو امام شجاعت (بہادری کا پیشوا) کہا جاتا ہے۔ یہ کسی دوسرے امام کی طرف محتاج نہیں ہوتا، بلکہ جو لوگ اس سے کم درجے کے ہیں ان پر واجب ہے کہ اس کے طریقے کو مضبوطی سے تھام لیں، اس کے رسوم کو مضبوط پکڑ لیں اور اس کے واقعات کو یاد رکھیں تاکہ یہ ان کے لئے بہادری میں ایک دستور کا کام دے، اگر وہ اس کی پیروی نہ کریں گے تو بہادری کی راہ سے بھٹک جائیں گے اور ان کے حسب استعداد بہادری کا جذبہ بھی ان میں کم ہوتا جائے گا۔

اس قسم کے اعلیٰ بہادر کے طریقے کو جو لوگ اختیار کرنے والے ہیں ان کے بہت سے گروہ ہیں:۔

ان میں سے ایک سابق ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے پیشوا کا قول اس کے دل میں اس طرح بیٹھ جائے کہ اس کے راوی سے اس کو زیادہ یاد رکھنے والا ہو۔

ایک قسم مقتصد یعنی درمیانہ چلنے والا ہو اور ان میں سے ایک وہ ہے جو اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہو۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح انسانی افراد شجاعت اور بہادری میں مختلف ہوتے ہیں اسی طرح وہ فطرت میں (بھی) مختلف ہیں۔

(۱) ایک وہ جو فطرت کا امام ہوتا ہے، وہ عبادت جیسے کاموں کی طرف اس طرح ٹوٹ پڑتا ہے کہ اس کو اپنے فطری تقاضوں کو پورا کرنے سے کوئی رسم و رواج یا دوسری کوئی روکنے والی چیز نہیں روک سکتی۔ کسی کی تقلید یا کسی سے روایت کیے بغیر عبادات کو بجا لانا

اور اس کے احوال کو قبول کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔

اس کی (واضح) مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اس وصف میں آپؑ اُتم او
تھے۔ آپؑ سے پہلے یا بعد میں کوئی بھی آپؑ کی طرح اس خُلق کی طرف نہیں گیا، اس
موافق آپؑ پر علوم الٰہیہ کا ترشح ہوتا تھا۔ آپ کا قلب اس خلق کا مطیع تھا اس
ملأ اعلیٰ میں داخل ہو کر ان سے پرتوِ نُور حاصل کر کے آپؑ کے لئے رحمت کی طرف تو
آسان تھا، اسی لئے آپؑ کو امام بنایا گیا، اور (بعد کے آنے والے) جملہ انبیاء علیہم ا
کو آپؑ کے ملت کی پیروی کرنے کا حکم ہوا۔

(۲) کچھ لوگ قوی فطرت ہوتے ہیں۔ اجمالی طور فطرت کی طرف اس طرح مائل
ہیں کہ اگر ان کو فطرت کی طرف رہنمائی کرنے والا امام نہ ملے تب بھی فطرت کی مخالفت
لئے تیار نہیں ہوتے، لیکن ان کے دل میں ایک گونہ اضطراب ہوتا ہے، اور اگر اس کو
کا پیشوا مل جائے تو اس امام کی بات اس کے دل میں بیٹھ جائے گی اور وہ اپنے امام
قول کا مطلب سمجھ لے گا اور وہ مجبور ہوگا کہ اپنے پیشوا کے قوانین کو ضبط کرے، اس
مجمل کی شرح کرے، اور اس کے مذہب کی اشاعت کرے، جس طرح حضرت ابراہیمؑ
بعد کے آنے والے انبیاء علیہم السلام نے حضرت ابراہیم کے ملّت کی پیروی کی اور اس
واضح کیا اور لوگوں کو اس کی طرف بلایا۔

(۳) تیسرا گروہ وہ ہے کہ اگر وہ فطرت کے امام کو نہ پائیں تو راہِ راست پر نہ آ
اور جب ایسے پیشوا کو پائیں تو اس سے خوب نفع اٹھائیں، جیسے پہلے کی امتیں تھیں

(۴) کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں کہ فطرت کی طرف لگاتار دعوت اور بلانے کے سوا
کی طرف خود نہیں جاتے، ایسے لوگ (دعوت و تبلیغ سے) تھوڑا سا نفع پا لیتے ہیں۔

(۵) بعض لوگ (فطرت کے) شدید منکر اور مخالف ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے
اور کانوں پر اللہ مُہر لگا دیتا اور اُن کے آگے اور پیچھے دیوار کھینچ دیتا ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوت (اور جوانی) کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ۔

ان کو حکمت عطا کی، اور ان پر ان کی جبلت منکشف ہوئی[1] - پس جب اس نے ستارہ، چاند اور سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھا تو اس سے وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ جس پروردگار نے اس کو پیدا کیا ہے وہی اس کی تربیت کرتا ہے اور (حق کی) راہ دکھاتا ہے اور وہ جسمانی احکام سے مبرا اور انسانی (عوارض) سے بلند ہے۔(اس تنبہ کے بعد) آپؑ پر ایک عظیم حالت طاری ہوئی اور آپؑ پر حق منکشف ہوا -

حضرت ابراہیم علیہ السلام غیر اللہ کی عبادت پر بڑے غیرت والے تھے، اس لئے بتوں کو توڑ ڈالا اور (اس پر) آپؑ کو آگ میں ڈالا گیا، لیکن آپؑ (اللہ تعالےٰ کے) پسندیدہ بندہ تھے - اللہ خلق میں آپؑ کی بقا چاہتا تھا، تب اللہ پاک نے آگ کے مادے پر ایک دم ہوا کے ذریعے ایک ٹھنڈی ہیئت ڈال دی - اور یہ سرد ہوا ٹھنڈے طبقے سے آئی کہ جس نے شدید برودت کو اٹھا رکھا تھا، اس نے آگ کو بدل دیا - اور ان دونوں کے تصادم اور ٹکر سے ایک اچھی ہوا پیدا ہو گئی -

اس کے بعد آپؑ، فاجر اور اللہ کے دین میں جھگڑنے والے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے سخت تنگ آگئے تو آپؑ نے اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کی، یعنی ایسی زمین کی طرف ہجرت کر گئے جہاں پروردگار کی عبادت ممکن ہو سکے - راستے میں ایک جبار اور سرکش آپؑ کو آڑے آیا جو آپ کی بی بی پر ظلم کرنا چاہتا تھا - آپ نے بڑی ہمت اور سعی سے اللہ کے حضور میں دعا کی - اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو وحی کی کہ بدن میں ہوا کے پھیلنے کی جگہ سے اس جبار اور ظالم کے بدن میں داخل ہو جائیں (اور اس کو روک دیں آخر ایسا ہی ہوا) اور اس (جابر) کے ہاتھ اینٹھ گئے - جب اس جابر حاکم نے یہ دیکھ لیا تو حضرت ابراہیمؑ کی عورت کو چھوڑ دیا اور حضرت ہاجرہ کو اس کی خادمہ بنا دیا -

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی، دونوں کی عمر بڑھ گئی تھی اور دونوں کی کوئی اولاد نہ تھی، اللہ نے ان پر رحمت کی اور دو فرزند عنایت کیے - حضرت ابراہیم

---

[1] سورۃ انعام کی آیت نمبر ۷۵ سے ۸۱ تک میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے -

علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہ خاص عنایت تھی، کیوں کہ وہ خدا کے محبوب بندے تھے اور دونوں کو جذب الٰہی نے گھیر لیا اور لوگ فطرت کے پیشواؤں کے خلفاء کی طرف محتاج تھے۔ تمام لوگوں میں سے امامت کی طرف زیادہ قریب وہ ہوتا ہے جس کی جبلت (اور فطرت) کو جذب الٰہی کے رازنے گھیر لیا ہو (یہ وصف حضرت ابراہیمؑ میں بطور اتم موجود تھی) اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی اولاد میں توحید کی طرف دعوت دینے کو ایک دائمی مشغلہ کی حیثیت عطا فرمائی۔

آپؑ کے دو فرزندوں میں سے ایک کے حق میں حق تعالیٰ کی یہ منشا اور مراد تھی کہ اس کو اپنے حرم کا خادم بنائے اور اس کے وسیلے سے (اپنی تجلی کے ذریعے) خلق سے قریب ہو اور ایک ایسا شعار ظاہر فرمائے جس کے ساتھ لوگ اللہ کا تقرب حاصل کریں اور اس کو ایسی اولاد عطا فرمائے جس میں امت مسلمہ بننے کی صلاحیت ہو۔ اب اس کو وجود میں لانے کے لئے بہت قریب وجہ یہ تھی کی بی بی سارہ حضرت ابراہیم کو، ہاجرہ ہبہ کر دے، اور ان میں سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حرم تک پہنچنے کی بہت قریب وجہ یہ تھی کہ بی بی سارہ کو ہاجرہ پر رشک آیا اور اس نے ہاجرہ اور اس کے بیٹے کو اپنے گھر سے نکال دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں کو ایک ویران جگہ میں بسایا (جہاں نہ کوئی پانی تھا نہ گھاس)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وہاں پانی کا چشمہ نکالا اور لوگوں کے دلوں میں وہاں سکونت اختیار کرنے کا الہام کیا، اس سے حرم کا انتظام بن گیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ الہام فرمایا کہ بیت اللہ کو بنائے اور وہاں رہائش اختیار کرنے کا بھی ان کو الہام کیا گیا جس کی یہ صورت تھی کہ حضرت ابراہیمؑ کے دل میں ایک سمجھ اور فراست پیدا کی پھر اس میں برکت دی اور ان کو حج کے احکام اور اس گھر میں عبادت کی کیفیت کی تعلیم دی کہ ان کے دیانت کے تعلق میں اضافہ فرمایا اور یہ ان کے سینے میں ایک وحی موجب بن گئی جس کو انہوں نے اپنے سینے کے آئینے میں مشاہدہ کیا (اسی طرح) اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کے کام کا انتظام فرمایا اور ان کو اپنے گھر کا خادم بنایا اور لوگوں میں حج کا شوق پیدا کیا اور

حضرت اسماعیلؑ کو نیک کام کرنے کی وصیت کی اور ان کو اپنی قوم کے لئے نیکی کا حکم کرنے والا بنایا۔

اور دوسرے فرزند کا قصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے توسط سے ابراہیم علیہ السلام کو اس (کے پیدا ہونے) کی خوشخبری سُنائی اور اس سبب سے بی بی سارہ کی جوانی نے جوشش مارا اور پھر ان کے حیض کے ایام لوٹ آئے اور اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

جان لیجئے کہ جب ابراہیم علیہ السلام اپنی فطرت اور جبلت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف خالص طور پر متوجہ ہوئے تو ان کا مقرب ملکوں میں شمار ہونے لگا اور ملأ اعلیٰ کے توسط سے ان کو انسانِ الٰہی[1] کے روشن دان سے ارادے اور اختیار کی زبان سے آواز دی گئی۔ اسی لئے انہوں نے نجومیت، مجوسیت اور شرک کے باطل ہونے کا واضح اعلان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے (حضرت ابراہیمؑ کو) اس تعلیم دینے سے ایک تقریب کا ارادہ فرمایا تھا ، یہ تھی کہ (قدیم) ملتیں باہم مختلف ہوگئی تھیں، مجوسیت میں تحقیق ختم ہوگئی تھی، اور ۔۔م سے شرک بڑھ گیا تھا۔ اب اس باطل کے سر کو توڑنے والا حق صرف یہ رہ گیا تھا کہ طرت (پر چلنے) کا حکم دیا جائے اور ارادہ (الٰہی) کی زبان کا اتباع کیا جائے۔ اس دور ے اول میں (دنیا کے) حوادث (اور واقعات) آسمانوں کی قوتوں اور عناصر سے براہِ ست صادر ہوتے تھے، اسی لئے ادریس علیہ السلام اُس دور کے مناسب علوم سے یا ہوئے۔ (دورِ اوّل کی خرابیوں کو دیکھ کر) حظیرۃ القدس کے مقدس ملائکہ ملأ اعلیٰ میں ے گونہ جوش پیدا ہُوا (کیونکہ) ان میں سے ہر ایک (خدا تعالیٰ کے لئے) ایک طلسم اور تجلی حیثیت رکھتا ہے جس میں کچھ آسمانی قوتیں بھی ودیعت کے طور پر رکھی گئی ہیں۔ اور اللہ لیٰ جب کسی شئے کا ارادہ کرتا ہے تو ملأ اعلیٰ میں (حسبِ مراد) بسط اور قبض فرماتا ہے

---

[1] انسانِ الٰہی، نام ہے انسانی افراد کی اجتماعی شکل کا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے فلسفے میں اس ۔سرا نام "امام نوعِ الانسان" بھی ہے۔ فلسفہ یونان میں اس کو نوعِ انسانی کا رب کہا جاتا ہے۔

اور اسی طرح اپنی مراد کو پورا کرتا ہے۔ اب آسمانوں کے لئے کوئی واضح حکم باقی نہ رہا تھا، اس لئے ابراہیم علیہ السلام نجوم کو مٹانے والے، توحید کی بات کرنے والے اور لوگوں کو اس تجلی کی طرف داعی ہوئے جو کہ حظیرۃ القدس میں قائم تھی۔

جاننا چاہیئے کہ وہ علوم جو کہ ملأ اعلیٰ کے ہاں ہیں سب سے قریب ان انسانی نفوس (کے دل) پر ٹپکتے ہیں جن کی ملائکہ کے ساتھ (قوی) مناسبت ہوتی ہے، لوگوں کی ہدایت کا ارادہ، (حق کے مخالف لوگوں سے نفرت اور) ان پر لعنت کرنا، اور انسانوں کے لئے شرائع کو مقرر کرنا ان سب کا ملأ اعلیٰ میں فیصلہ ہوتا ہے، اس لئے منشأ الٰہی کو بروئے کار لانے کے لئے) ملأ اعلیٰ کے توسط سے انبیاء علیہم السلام پر ہی علوم اترتے ہیں اور یہ علوم ان کی زبان میں ہوتے ہیں اور ان کے عقول اور سمجھ کے مناسب ہوتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ (لوگوں کی تعلیم کے لئے) اللہ تعالیٰ کی مختلف زبانیں ہیں، (اسی بنا پر) جب اس نے ابراہیم علیہ السلام کو قربانی کے ذبح کے ذریعے اللہ کے تقرب کی تعلیم کا ارادہ فرمایا تو اس کے ساتھ دو زبانوں میں کلام فرمایا تاکہ اللہ کے ساتھ اس کے اخلاص اور اس کی فرمانبرداری کو واضح کرنے کے لئے ایک بڑا واقعہ وجود میں آئے اور بیٹے کے ذبح کرنے والی قربانی اُس زبان کے لحاظ سے ایک نعمتِ مشکورہ بن جائے۔

اس کا راستہ یہ تھا کہ حیوانات کی روحیں انسان کی طرح عام عالم کو متضمن ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ حیوان میں انسان کی بنسبت شدید اجمال پایا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ پر یہ راز کھل گیا اور ان کو اپنے خواب میں یہ دکھائی دیا کہ وہ اپنے اس بیٹے کو ذبح کر رہا ہے جو کہ انسانیت میں نہایت ہی کمال کے مالک ہیں۔ اس کی مثال، ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پچاس نمازیں فرض ہونے کی مانند ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض ٹھہرائیں اور خدا نے آپؐ کو بتایا کہ اللہ کا قول بدلتا نہیں یہ حقیقت میں تو پانچ ہیں لیکن یہ (ثواب کے لحاظ سے) پچاس ہیں کیوں کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا اس سے زائد ہوتا ہے، اب ان کو پچاس کہنا مجاز کے طرزِ تکلم پر اللہ کا کلام ہوگا

تاکہ نعمت کو کامل فرما دے اور فرمانبرداری کو دیکھے ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ، اللہ تعالےٰ کا مکالمہ بھی اسی طــرح دو زبانوں سے ہوا ! ایک تو مجازکی زبان تھی کہ " تم اپنے بیٹے کو ذبح کرو یعنی ایسے قوی مینڈھے کو ذبح کرو جو جیسے بیٹا باپ کو پیارا لگتا ہے وہ جانور بھی اپنے مالک کی سب سے پسندیدہ شئے ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب اس (حکم اور) زبان کی پیروی کی تو ان کو ایک عظیم واقعہ پیش آیا جس سے آپؑ کی عبادت اور انقیاد کی پوری ترجمانی ہوتی تھی اور آپؑ کے صحیفے میں یہ لکھا گیا کہ انہوں نے اللہ کے لئے اپنے بیٹے کو ذبح کیا، پھر اللہ نے اس کا فدیہ اتمام نعمت کے طور ذبحِ عظیم سے تعبیر فرمایا۔

دوسری زبان حقیقت کی تھی (جس میں) اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب فرمایا "کہ تو نے خواب کو سچا کرکے دکھایا" یعنی تم نے خواب کی تعبیر اور اس کی مراد کو پورا کیا اور اس سے اللہ کا مقصد دنبے کے ذبح کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انسانِ الٰہی (امام نوع انسانی) سے ارتفاقات (باہمی معیشت کے اصول) اور نیکی و گناہ کے علوم کو لیا تھا، اسی لئے آپؑ نے مہمانی، مسافر کا حق، فطرت کی خصلتیں اور حیوان کے ذبح سے تقرب حاصل کرنے کی بنیاد رکھی، ارکانِ اسلام کو مشروع فرمایا اور شرک سے ہر طرح دور رہے ۔